الکتاب ـــ سیبویہ کا ایک عظیم کارنامہ

توقیر عالم فلاحی، ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ ایک ناقابل انکار صداقت ہے کہ عربی زبان و ادب کے سرمایہ میں جو قابل ذکر اضافہ عہد عباسی میں ہوا ہے اس کے مقابلے میں نہ تو پہلے ہوا اور نہ اس کے بعد۔ چنانچہ یہ دور اسلام کا وہ زریں دور ہے جس میں مسلمان تہذیب و تمدن کے لحاظ سے بام عروج پر پہنچ گئے اور انھوں نے تاریخ اسلامی کے ایوان کو کلچر و ثقافت اور علوم و فنون کے لحاظ سے درخشاں اور تابندہ بنا دیا۔

عروج و اقبال کے اس تابناک دور میں فتوحات کا سلسلہ بھی سیل رواں کی طرح بڑھ رہا تھا، ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ حکومت کی توسیع و استحکا[م] کے لیے غیر عربوں کو عربی معاشرے میں ضم کر لیا جائے اور ان کے اندر سے احسا[س] کمتری، مرعوبیت اور اجنبیت ختم ہو تاکہ مفتوحہ ممالک کے یہ غیر عرب لوگ عربوں کے شانہ بشانہ ہو کر عالم انسانیت کے قابل ذکر حصوں پر فتح و تسخیر کمندیں ڈال سکیں۔ یہی وہ غایت تھی جس کے حصول نے عربوں کو مہمیز کیا کہ کو[ئی] ایسا فن وجود میں آئے جو زبان کی تعلیم و تعلّم میں معاون و مددگار ہو سکے۔ [چ]نانچہ آٹھویں صدی عیسوی میں اس سمت میں عملی طور پر پیش قدمی ہوئی ا[ور] [عربی] گرامر کے دو مکتبۂ فکر وجود میں آئے۔ جنھوں نے بلا شک و تردید زبا[ن] [ع]ربی کی بقا و تحفظ میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ ان کے اہم نمائندو[ں] [م]یں خلیل ابن احمد، ابو عبیدہ معمر بن المثنی، الاخفش، الاصمعی، الزجاج، کسا[ئی] [ف]را، ابو زکریا، المفضل الضبی اور ابن الانباری کا شمار ہوتا ہے۔

سیبویہ — میدان نحو کا شہسوار :

ان مکاتیب فکر کے ناموران نحو میں سیبویہ کا مقام بڑا ہی اعلیٰ اور ارفع ہے۔ خود اس وقت کا مشہور معاصر ادیب اور نحوی اس کی ذات سے اس قدر متاثر نظر آتا ہے کہ اس کی بلا کی ذہانت اور استعداد و صلاحیت نے اسے اس اعتراف حقیقت سے باز نہیں رکھا کہ نحو میں لوگوں نے اس جیسی کتاب نہیں لکھی۔ متقدمین اور متاخرین تمام کی نحوی کاوشوں پر الکتاب کی چھاپ نظر آتی ہے[1] ابن خلکان لکھتے ہیں کہ سیبویہ متقدمین اور متاخرین دونوں سے نحو کے معاملے میں سبقت لے گیا[2] ابو الطیّب عبد الواحد اس کے علمی مقام کا تذکرہ اسی ایک جملے میں کرتے ہیں۔ " وھو اعلم النّاس بالنّحو بعد الخلیل"[3]

شروع میں وہ حدیث و فقہ کی طرف زیادہ مائل تھا۔ اسی سلسلے کی مشغولیت میں حماد بن سلمہ کے یہاں حاضر تھا اور اس کی املا کرائی ہوئی ایک حدیث رسول لکھ رہا تھا جس کی عبارت یہ تھی " لیس احدٌ من اصحابی الّا وطرا اخذت علیہ لیس ابا الدّرداء"۔ سیبویہ بول پڑا " لیس ابو الدّرداء" ہونا چاہیے تو اس پر حماد نے کہا کہ دیکھو سیبویہ تم غلطی کر رہے ہو " لیس ابا الدرداءً" ہی صحیح ہے۔ استاذ کی اس تلقین کا سیبویہ کی علمی زندگی پر بڑا اثر پڑا اور اس نے یہ عہد کر لیا کہ وہ ان قواعد و ضوابط کو سیکھے گا جن کی مدد سے غلطیاں درست ہو جائیں[4] یہ واقعہ نحوی علم کی تحصیل میں سرگرم عمل ہونے کا محرک خاص بنا اور بصری مکتبہ فکر کے اہم ترین نمائندہ خلیل بن احمد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مزید برآں یونس اور عیسیٰ بن عمر جیسے قابل نحویوں سے بھی استفادہ کرتے ہوئے اپنے کشکول علمی کو بھرنے میں پیش پیش رہا۔

چونکہ خلیل بن احمد دبستان بصرہ کے ایک نامور استاذ اور اس دبستان کے

رکن رکین تھے اس لیے علم نحو کے شائقین موصوف کے پاس رہے اور بحیثیت تلامذہ رفاقت اختیار کرنے کو باعث اعزاز و افتخار سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ بے شمار علم کے پیاسوں نے علم و فکر کے اس ابلتے ہوئے چشمے سے سیرابی حاصل کی۔ نضر بن شمیل، علی بن نصر الجھضمی اور مورج السدوسی کا شمار وقت کے ان ممتاز علمار لغت و نحو میں ہوتا ہے جنھوں نے عربی زبان و ادب پر بڑا احسان کیا ہے لیکن ان تمام میں ممتاز اور نمایاں سیبویہ تھا جو میدان نحو کا عظیم شہسوار ثابت ہوا

الکتاب ۔ نحو کی ایک شاہکار تالیف :

یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ عرب علمار قابل قدر و احترام انھیں مصنفین کو قرار دیتے ہیں جنھوں نے طویل عمر پائی ہو۔ سیبویہ کے فضل و کمال اور حذاقت و مہارت کا اندازہ لگانے کے لیے یہی سنکافی ہے کہ کم عمر پانے کے باوجود اس کی تصنیف شرف قبولیت سے ہمکنار ہوئی۔ اس نے علوم عربیہ میں وسعت مطالعہ کا نچوڑ ایک ایسی تصنیف میں پیش کیا ہے جو قدیم تذکرہ نویسوں کے بقول ایک ہزار اوراق پر مشتمل ہے اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دبستان بصرہ کی جو علمی کتابیں ہم تک پہنچی ہیں اُسے ہمیشہ عربی نحو کے مطالعے میں بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے[۹]

درحقیقت بات یہ ہے کہ اس کتاب کا نام بذات خود سیبویہ نے نہیں رکھا اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ سیبویہ نے اپنے منظم ارادے کے تحت اسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا ہو اور اس کی موت واقع ہوگئی ہو۔ علی نجدی نے بھی اس امکان کا اظہار کیا ہے کہ اس کتاب کی تزئین و آرائش سے متعلق دوسرے مباحث کا نقشہ ذہن میں رہا ہوگا اور اس نے یہ سوچا ہوگا کہ اس سے فراغت کے بعد ہی نام رکھا جائے گا۔ بس اس کی تائید اس حقیقت سے بھی ہوتی ہے کہ اس نے کسی کو پڑھ کر

سنایا نہیں اور نہ ہی اس کے سامنے کسی نے پڑھا تھا۔

بہر حال اس کی موت کے بعد ہی علماء کے اتفاق رائے سے اس کتاب کا نام "کتاب" رکھا گیا اور اس کے ساتھ کوئی صفت یا اضافت نہیں تھی۔ پھر بعد میں یہ "الکتاب" کے نام سے معروف ہوگئی تاکہ دوسری کتابوں میں اور سیبویہ کی اس کتاب میں فرق و امتیاز روا رکھا جا سکے۔ اس کتاب کے اندر نہ ہی مقدمہ ہے نہ خاتمہ۔ یہاں تک کہ ترتیب وغیرہ کا بھی لحاظ نہیں کیا گیا ہے۔ اس کا آغاز کلمہ کی وضاحت سے ہوا ہے اور اختتام "علماء بنو فلان" نامی باب پر۔ مقدمہ، خاتمہ اور ترتیب نہ ہونے کے باوجود عربوں نے ہمیشہ اسے عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا ہے کہ صاحب "الکامل" نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ علم میں کوئی کتاب جو اس کے مثل ہو اب تک منظرِ عام پر نہیں آئی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دوسرے علوم کی تمام کتابیں دوسری کتابوں کی محتاج ہوتی ہیں اور سیبویہ کی کتاب دوسری تمام کتابوں سے بے نیاز ہے۔ علی نجدی اس کتاب کا تعارف ان عبارتوں میں کرلیتے ہیں۔ کان کتاب سیبویہ فی النحو کان هو وحده الحقیق فی ایهم ان یسمّٰی بالکتاب اما غیره فلا ینبغی ان یسمّٰی به الّا علی ضرب من التجوز او المجاملة۔

ترجمہ: لوگوں کے خیال میں سیبویہ کی کتاب ہی حقیقی معنوں میں نحو کی کتاب ہے جو الکتاب سے موسوم ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی کتاب کو الکتاب کے نام سے موسوم نہیں کیا جانا چاہیے۔

الکتاب ہی صرف نحو کی کتاب ہے در اصل ایسا نہیں ہے۔ ہاں اس کے عمق و وسعت اور نحو کے باب میں ہمہ گیریت کو پیش نظر رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس فن میں اس کے مثل کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ وسعت معلومات کے لیے ہر شخص مجبور ہے کہ وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ یہاں ہم اس کتاب کے مقام و مرتبہ سے متعلق کوئی

تفصیلی بحث نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ آگے چل کر موقعہ آئے گا کہ علماء عظام اور خود سیبویہ کے ہمعصر ساتھیوں کے بیانات کی روشنی میں اس کتاب کی دقعت واضح کی جائے یہاں تو اس کتاب کا ایک مختصر تعارف مقصود ہے کہ دراصل یہ کتاب وہی ہے جو سیبویہ کی وفات کے بعد اس کے استاد الاخفش کے ذریعہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن کی شکل میں منظر عام پر آئی اور الکتاب کے پروقار نام سے معروف ہوئی۔ اس کتاب میں بہتر ابواب ہیں اور ہر باب ذیلی عناوین کے ذریعہ اس طرح شرح وبسط کے ساتھ واضح کیا گیا ہے کہ طالب العلم اکتائے بغیر نحوی ذوق تجسس کی پیاس کو بجھاتا ہوا آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور علم کے اس دریا میں غوطہ زنی کرتے ہوئے گوہر مراد حاصل کر لیتا ہے۔

خصوصیات ۔ ایک نظر میں

اس شاہکار تصنیف کی متعدد خصوصیات ہیں جن کی بنا پر یہ کتاب پورے مشرق ومغرب میں شہرت واحترام کی شاہراہ پر آکھڑی ہوئی۔ یہاں چند خوبیوں کا تذکرہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے تاکہ مخاطب یا قاری اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکے۔

۱:۔ سیبویہ اس امر کو قابل ترجیح سمجھتا ہے کہ اس کی گفتگو تفصیلی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر باب کی ہر شق پر سیر حاصل گفتگو کرتا ہے۔ اس کے مباحث مربوط ہوتے ہیں، ان کے اندر کسی طرح کا اضطراب نہیں پایا جاتا۔ فقرے اس حد تک ایک دوسرے سے متعلق ہوتے ہیں گویا کہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں ان خوبیوں کی بنا پر سامع یا قاری کے سامنے کوئی گوشہ تشنہ توضیح نہیں رہتا اور پھر دوسرے مسئلے پر گفتگو کا آغاز ہوتا ہے۔

۲:۔ کہیں وقفہ یا ٹھہراؤ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ قاری خاتمہ باب تک پہنچ جائے کسی نئے باب کو موضوع بحث بنانے کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

واعلم ان الامر کذا وکذا۔ کہہ کر صاحب کتاب باخبر اور ہوشیار کرنا چاہتے ہیں کہ گفتگو کے نئے مرحلے سے سابقہ پیش آرہا ہے۔

۳:- اس کی عبارتوں میں اس لحاظ سے تفاوت ہے کہ کہیں وہ صبح درخشاں کے مثل پیچ اور واضح ہیں اور کہیں وہ طلسماتی بن کر رہ جاتی ہیں جہاں عقل حیران ہو جاتی ہے اور قاری عاجز و درماندہ رہ جاتا ہے۔

۴:- بہتیرے الفاظ ایسے ہیں جنھیں سمجھنے کے لیے دوسرے توضیحی الفاظ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مبرد کا شاگرد رشید ابن کیسان کہتا ہے سیبویہ کی کتاب پر غور و خوض کے بعد پاکر کردہ شایان شان مقام پر ہے۔ نیز اس کے الفاظ دوسرے الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ یہ کتاب اس وقت منظر عام پر آئی ہے جبکہ تصنیف و تالیف کے میدان میں الفاظ کے استعمال کا یہی طریقہ مروج تھا۔ سیبویہ نے بھی دوسروں کا خیال کر کے اپنی تالیف میں یہ نہج اختیار کیا۔

مذکورہ بالا چوتھی اور پانچویں باتیں بظاہر کسی بھی کتاب کی قدر و قیمت کے خلاف نظر آتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ انداز تصنیف و تالیف کے نقص پر دلالت نہیں کرتا اور نہ ہی کسی عیب یا خامی کی نشاندہی پر۔ بلکہ کہیں شرح و بسط اور کہیں ایجاز و اختصار سے کام لینا، کہیں غموض و ابہام اور کہیں وضاحت و تبیین کا طریقہ اختیار کرنا، مؤثر اور دلنشین پیرائیہ بیان کا ایک تقاضا ہے۔

ابن قتیبہ مختلف اسالیب بیان میں قرآن کے خطاب کرنے کو اس کی عظمت کی دلیل مانتے ہیں اور عرب خطیبوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عرب کا خطیب جب گھر میں یا بازار میں، نکاح کی مجلس میں یا جنگ کے میدان میں تحریص و ترغیب کے لیے یا صلح و مصالحت کی خاطر تقریر کیا کرتا تھا۔ تو وہ ہر موقع پر ایک ہی وادی میں نہیں بھٹکتا تھا بلکہ مواقع کی مناسبت سے مختلف انداز خطاب

اختیار کرتا تھا۔ اگر وہ تخفیف کا ارادہ کرتا تو مختصر کہتا، افہام و تفہیم کا قصد کرتا تو طوالت سے کام لیتا، جب کسی بات کو مؤکد کرنا چاہتا تو تکرار سے کام لیتا، کبھی غموض و ابہام کا سہارا لیتا اور کبھی بالکل ہی کھول کھول کر بیان کر دیتا۔[۱۱] علی بن سلیمان الاخفش کہتے ہیں۔

"عمل سیبویہ کتابہ علی لغۃ العرب وخطبھا وبلاغتھا فجعل فیہ بیّناً مشروحاً، وجعل فیہ مستبھماً، لیکون من استنبط ونظر فضل وعلی ھذا خاطبھم اللّٰہ عز وجل بالقرآن"[۱۲]

ترجمہ: سیبویہ نے اپنی کتاب میں مباحث کے افہام و تفہیم کا کام زبان عرب، ان کے خطبوں اور ان کی بلاغت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔ کہیں اس نے شرح و بسط سے کام لیا ہے تو کہیں غموض و ابہام سے۔ ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ نتائج کا استنباط کرنے والوں اور تدبر و تعمق کی نگاہ سے دیکھنے والوں کا فضل و برتری نمایاں ہو۔ اور اسی طریقے پر اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک میں ان کو خطاب کیا۔

چنانچہ ایضاح و ابہام، ایجاز و اختصار اور تقدیم و تاخیر وغیرہ ایسی صفات ہیں جو دوران تالیف و تصنیف مناسب ہی نہیں اتنا ہی ناگزیر ضرورت کے طور پر ہیں۔ یہ انداز مصلحت و حکمت کے تحت گفتگو کو دل نشیں بنانے کے لیے کسی بھی مؤلف اور مصنف کا سرمایہ ہے جس کی ضرورت کلام میں زیر و بم، اتار چڑھاؤ اور فصاحت و بلاغت پیدا کرنے کے لیے پڑتی ہے اور اس سے مطالعہ کرنے والوں کو بھی شیرینی کی لذت ملتی ہے۔

سیبویہ — الکتاب کے آئینے میں:

کسی بھی تصنیف و تالیف کی شہرت و مقبولیت میں جہاں معلومات کی وسعت و موضوعات کے تنوع کا رول ہوتا ہے وہاں دلنشین پیرایۂ بیان بھی اپنا نمایاں

مقام رکھتا ہے۔ اسی سلسلے کی ایک ناگزیر ضرورت یہ ہے کہ صاحب تصنیف کے سلسلے میں مطالعہ کے دوران یہ خیال نہ ہو کہ وہ گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ مطالعہ کرنے والوں کا یہ احساس ایک طرف تو اس کے نقص پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ عدم موجودگی کا یہ تصور ان پر وہ اثر پیدا نہیں کرتا جو کسی کے ہمہ وقت موجود رہنے کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ سیبویہ اپنی اس عجوبۂ روزگار تصنیف میں ہر وقت نمایاں رہتا ہے۔ اس کتاب کے اندر سیبویہ کی شخصیت کی ترجمانی کن کن پہلوؤں سے ہوتی ہے۔ یہاں مختصراً ان کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱:- وہ ایک لمحہ بھی اپنی کتاب میں گمنام نہیں ہے۔ ڈاکٹر علی نجدی ناصف کے بقول وہ شہد کی مکھی کے مثل نہیں ہے جو مختلف پھولوں، باغوں اور کھیتوں کے پھلوں سے رس چوس کر جمع کرتی ہے اور وہ نہیں جانتی کہ ایسا کیوں کرتی ہے بلکہ اسے صرف جمع و اذخار سے مطلب ہوتا ہے[۳۱]

۲:- فی الحقیقت وہ ہر جگہ مطالعہ کرنے والوں کی رہنمائی کے لیے حاضر رہتا ہے یہاں تک کہ آثار علماء کی آراء اور قاریوں کی قراءتوں کے ذکر کے وقت بھی روپوش نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ نری روح موجود ہے اور ایک آواز ہے جو کہہ رہی ہے تاہم یہ مستحضر رہے کہ اس کی شخصیت ان آثار و آراء کے پشت میں موجود ہوتی ہے سیبویہ یہی وجہ ہے کہ کہیں بھی وحشت اور تنہائی کا احساس نہیں ہوتا[۳۲]

۳- اپنی کتاب میں وہ لائق اور محبوب استاذ نظر آتا ہے۔ ادعائیہ انداز سے احتراز کرتا ہے۔ اس کی طبیعت کبھی آمادہ نہیں ہوتی کہ محض وہ کہتا جائے اور سامعین سنتے چلے جائیں بلکہ وہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ زیر بحث موضوع سے متعلق

تمام گوشوں کو واضح اور روشن کر دیے۔ مختلف جہتوں سے وہ اپنی باتیں قاری کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اسی مقصد کے تحت وہ بسا اوقات اعادہ و تکرار سے کام لیتا ہے۔ چنانچہ ایک قاری اسے شفیق استاذ محسوس کرتا ہے اور ہمہ تن گوش ہو کر اخذ و استفادہ کر کے اپنی جھولیوں کو بھر لیتا ہے۔

۴:۔ جیسا کہ متکلم اور ناقد کی حیثیت سے بھی اس کی شخصیت نمایاں نظر آتی ہے۔ کہیں پر بھی پس و پیش اور شکوک و شبہات کا شکار نہیں ہوتا ہے۔ افہام و تفہیم میں تصنع اور تکلف کا لبادہ زیب تن نہیں کرتا ہے بلکہ انتہائی دیانتداری کے ساتھ اور حقیقت بینی کو اپنا شیوہ و شعار بناتے ہوئے مسائل کی توضیح و تشریح کرتا ہے اور کسی سے متاثر ہوئے بغیر نقد و تنقید کا بیڑا اٹھاتا ہے مثلاً وہ اپنے استاذ خلیل کی ایک روایت نقل کرتا ہے۔

"زعم الخليل انه يجوز ان يقول الرجل: هٰذا رجل اخو زيد اذا اردت ان تشبهه بأخي زيد" ۱۵

سیبویہ اپنے استاذ خلیل کی اس رائے سے شد و مد کے ساتھ اختلاف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس تعبیر کے اندر ضعف اور قباحت ہے۔ ایسا کرنا صرف حالت اضطرار ہی میں جائز ہو سکتا ہے۔

۵:۔ اپنے قاریوں کے لیے وہ ایک مفسر اور شارح ثابت ہوتا ہے۔ جب کبھی کبھی مسائل ایک دوسرے سے ملتبس ہو جایا کرتے ہیں فروق و امتیازات آپس میں متضاد ہو جاتے ہیں تو قاری کو الجھ کر حیرت و استعجاب کا شکار ہو جانا پڑتا ہے لیکن وہ خود ہی مسائل کو ایک دوسرے سے واضح طور پر الگ الگ کر دیتا ہے اور اس طرح قاری کے اضطراب اور حیرت و تعجب کو حذق و مہارت کے ساتھ رفع کرتا ہے اور جوابات دے کر مطمئن کرتا ہے۔

الکتاب کی شروح وتعلیقات:

جیوں ہی یہ کتاب تہذیب ونظر ثانی کے بعد منظر عام پر آئی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اس کی مقبولیت کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ ہے کہ وقت کے چوٹی کے جتنے علماء تھے تقریبًا تمام ہی لوگوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے الکتاب سے رشتہ جوڑا۔ یہی وجہ ہے کہ الکتاب کی بیشمار شرحیں لکھی گئیں اور دبستان بصرہ کا شاید ہی کوئی ایسا عالم ہوگا جس نے الکتاب پر حواشی نہ لکھے ہوں یا اس کے مضامین میں اضافہ نہ کیا ہو[۱۶] ذیل میں اس کتاب کے شارحین کی ایک فہرست دی جارہی ہے۔

(۱) ابوسعید حسن بن عبد اللہ جو سیرافی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب کی شرح لکھی۔ انتقال ۳۶۸ھ میں ہوا۔

(۲) سیرافی کے صاحبزادے یوسف نے بھی شرح لکھی۔ اس کا انتقال ۳۸۵ھ میں ہوا۔

(۳) تیسری شرح ابوجعفر احمد بن محمد النحاس النحوی نے لکھی اور اس میں انھوں نے سیبویہ کی الکتاب کے نحوی شواہد پر بھی بحث کی۔ انتقال ۳۳۸ھ میں ہوا۔

(۴) چوتھی شرح ابوالعباس محمد بن یزید جو مبرد کے نام سے معروف ہیں، نے لکھی اور سیبویہ کے نحوی شواہد پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے ۲۸۵ھ میں وفات ہوئی۔

(۵) احمد بن ابان اللغوی الاندلسی نے بھی اس کی ایک شرح لکھی ہے۔ انتقال ۳۸۲ھ میں ہوا۔

(۶) ابراہیم ابن سفیان الزیادی المتوفی ۲۴۹ھ کی شرح۔

(۷) علی ابن سلیمان کی شرح جو الاخفش الاصغر سے معروف ہیں۔

(۸) ابن السراج (ابوبکر) محمد بن السری (البغدادی) کی شرح۔ ان کا انتقال

۳۱۶ھ میں ہوا۔
(۹) ابو عمر عثمان بن عمر المالکی کی شرح۔ یہ ابن حاجب نحوی کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ ان کی موت ۶۴۶ھ میں واقع ہوئی۔
(۱۰) علامہ جار اللہ ابو قاسم محمود بن عمر الزمخشری کی شرح جن کا انتقال ۵۳۸ھ میں ہوا[۱]۔

علی نجدی ناصف نے بھی شارحین "الکتاب" کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ علماء اندلس جنھوں نے اس کی شرح پر کام کیا ہے ان میں بلند پایہ شارحین مندرجہ ذیل ہیں۔
(۱) ابو بکر محمد بن الحسن الزبیدی الاشبیلی المتوفی ۳۷۹ھ (۲) ابو نصر ہارون بن موسیٰ القرطبی المتوفی ۴۰۱ھ (۳) یوسف بن سلیمان الشنتمری جو الاعلم کے نام سے معروف ہیں اور جن کا انتقال ۴۷۶ھ میں ہوا (۴) ابو الحسن علی بن احمد جو ابن باذش الغرناطی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وفات ۵۲۸ھ میں ہوئی۔ (۵) ابو بکر محمد بن مسعود الخشنی المتوفی ۵۴۴ھ (۶) محمد بن احمد ابن ہشام اللخمی السبتی المتوفی ۵۵۰ھ۔ (۷) ابو الحسن علی بن محمد جو ابن خروف کے نام سے معروف ہیں۔ ۶۰۶ھ میں انتقال ہوا۔
مشرقی ممالک میں جنھوں نے الکتاب کی شرح لکھی چند نام حسب ذیل ہیں:
(۱) ابو عثمان بکر بن محمد المازنی المتوفی ۲۴۸ھ (۲) ابو اسحاق ابراہیم السری زجاج۔ متوفی ۳۱۱ھ (۳) ابو علی الحسن بن احمد الفارسی المتوفی ۳۷۷ھ (۴) ابو الحسن علی بن عیسیٰ الرمانی المتوفی ۳۸۴ھ
مصری علماء جنھوں نے شرح لکھی یا کچھ اضافہ کیا۔
(۱) ابو عبد الغنی سلیمان بن تبین الدقیقی المتوفی ۶۱۴ھ (۲) ابن الحاجب عثمان

بن علی المتوفی ۶۴۶ھ

ان شرحوں کے علاوہ کچھ تعلیقات بھی ہیں جو علماء اندلس اور مشرق کی ہیں
(۱) ابوالحسن سلیمان بن محمد الاشبیلی جو ابن الصائغ سے جانے جاتے ہیں۔
۶۸۰ھ میں انتقال ہوا۔

(۲) سلیمان بن محمد المالقی جو ابن الطراوۃ سے معروف ہیں اور جن کا انتقال
۵۲۸ھ میں ہوا۔

مشرق میں ابو محمد عبید اللہ بن محمد بن ابی بردۃ نے بھی تقریظ لکھی نیز مصر کے
احمد بن محمد بن ولاد نے بھی "الکتاب" کی تقریظ لکھی ہے۔ ۳۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔
تجرید و اختصار کی بھی کچھ لوگوں نے ذمہ داری انجام دی ہے۔ اس سلسلے میں ابوجابی
محمد بن یوسف کا نام آتا ہے جو اندلس کے رہنے والے تھے۔ ان کا انتقال ۵۴۷ھ
میں ہوا۔ اور ابراہیم بن محمد الیمینی نے اس کتاب کے احکام کو مختصر اور مختصر بنا کر
پیش کیا ہے۔

جن لوگوں نے اسے یاد کرلیا اور اس میں تخصص کیا وہ علماء غرب اور علماء شرق
دونوں ہیں۔

علماء غرب میں ابوالقاسم ابراہیم بن عثمان القیروانی المتوفی ۳۴۶ھ۔
ابوالقاسم حلف بن یوسف الاندلسی الشنتریني المتوفی ۵۳۲ھ، ابوعامر بن
عبداللہ بن یحییٰ الاشبیلی المتوفی ۵۶۰ھ، محمد بن حجاج الاشبیلی (جو ابن المطرنی کے
نام سے مشہور ہیں) المتوفی ۶۰۷ھ کے نام قابل ذکر ہیں۔ اور علماء مشرق میں ابوبکر
عبید اللہ الخباط الاصبہانی اور ابراہیم بن مسعود المتوفی ۵۹۰ھ کے نام ملتے ہیں
سیبویہ کی "الکتاب" سے متعلق لکھی گئی مندرجہ بالا تمام شرحیں، تقریظات
اور تجریدات اس امر کی شہادت فراہم کرتی ہیں کہ وقت کے مشہور ترین علماء اور

ادبار کا کسی نہ کسی جہت سے اس کتاب سے تعلق قائم رہا ہے۔ بلکہ اگر شرح و تعلیقات کے اس ذخیرہ کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ طبقہ علماء نے اس کتاب سے کسی طرح کا بھی تعلق قائم رکھنا باعث شرف و افتخار سمجھا اور نحوی معاملات میں مرجع کا مقام دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر خدیجہ الحدیثی نے اپنی کتاب کتاب سیبویہ و شروحہ (صفحہ ۱۲۷ تا ۱۳۵) میں ذکر کیا ہے "کتاب سیبویہ کے گیارہ قلمی نسخے دنیا کے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کی دو درجن سے زائد شروح لکھی گئیں، دو درجن تعلیقات و حواشی اور پانچ استدراکات تصنیف کیے گئے۔"[۹]

علماء اور ادباء کے تاثرات قلبی

اگرچہ اس کتاب کی خصوصیات، اس میں سیبویہ کی شخصیت کی جھلکیاں اور اس کی شروح و تعلیقات کی روشنی میں اس کے مقام کی تعیین کرنا مشکل نہیں ہے۔ تاہم اس حقیقت کے اعتراف سے راہ فرار اختیار نہیں کی جا سکتی کہ اس کتاب سے متعلق ممتاز ترین علماء اور ادباء کے خیالات بھی اس کی اعلیٰ و ارفع پوزیشن کو تسلیم کرانے میں قابلِ ذکر محرک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا چند علماء و ادباء کے تاثرات قلبی کا اظہار کیا جانا مناسب ہے۔

سب سے پہلے امام جاحظ کی ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس سے ایک طرف تو جاحظ کی نظر میں جو اس کی قدر و منزلت ہے وہ سامنے آتی ہے اور دوسری طرف محمد بن عبدالملک کا تاثر یہ بتاتا ہے کہ فی الحقیقت یہ ایک بیش قیمت سرمایہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ایک بار محمد بن عبدالملک کے یہاں جانے کا ارادہ کیا۔ اس موقعہ پہ ہدیہ میں پیش کرنے کے لیے جو سب سے قیمتی چیز ملی وہ سیبویہ کی کتاب تھی تو میں نے ان سے کہا کہ میں ایک ایسی چیز ہدیہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں جس کے مقابلے میں

اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اور وہ ہے ایک کتاب جسے فراء کی میراث میں سے خریدی ہے۔ تو اس پر محمد بن عبدالملک نے کہا" مجھے اس سے زیادہ قیمتی چیز ہدیہ نہیں کی گئی۔ [۲۰]

کوئی شخص جو اس کتاب کے پڑھنے کا مشتاق ہوتا اور مبرد کی طرف رجوع کرتا تو وہ اس سے پوچھتا" کیا تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے؟ یعنی یہ کتاب سمندر کی طرح وسیع پر حول اور مشکل ہے۔ [۲۱]

ابوسعید الحسن بن عبداللہ کہتے ہیں" وَعَمَلُ کتابہ الذی لم یسبقہ الیٰ مثلہ أحدٌ قبلہ ولم یلحق بہ من بعدہ"۔ [۲۲]

امام زمخشری نے سیبویہ اور اس کی کتاب کی اہمیت یوں ذہن نشین کرائی

الا صلیّ الالہ صلاۃ صدق ۔ علی عمرو بن عثمان بن قنبر
فان کتابہ لم یغن عنہ ۔ بنو قلم ولا ابناء منبر۔ [۲۳]

ابن خلکان کی وفیات میں ہے کہ سیبویہ کی کتاب اس کی شہرت اور فضیلت کی وجہ سے علم کے طور پر جانی گئی۔ بصرہ میں جب بھی کہا جاتا کہ فلاں نے الکتاب پڑھی تو بس جان لیا جاتا کہ وہ سیبویہ کی کتاب ہے۔ اور اسی طرح اگر یہ کہا جاتا کہ فلاں نے الکتاب کی قرأت کی تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ سیبویہ کی کتاب ہے۔ [۲۴]

فہرست ابن ندیم میں المازنی کا قول ہے" من اراد ان یعمل کتابا کبیراً فی النحو بعد کتاب سیبویہ فلیستحی"۔ [۲۵]

معجم الادباء میں صاعد بن احمد الجیانی کہتے ہیں کہ انھوں نے اہل اندلس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ مجھے کسی ایسی کتاب کا علم نہیں (خواہ قدیم علوم میں ہو یا جدید میں) جو تمام ہی علوم پر مشتمل ہو اور اس فن کے اجزاء کا پورے طور پر احاطہ کیا گیا ہو

لیکن تین ایسی کتابیں ضرور ہیں جو ان اوصاف کی حامل ہیں۔ علم ہیئت کے سلسلے میں (۱) بطلیموس کی کتاب المجسطی۔ (۲) علم منطق میں ارسطو کی کتاب (۳) اور نحو میں سیبویہ کی کتاب۔

جناب کلمنٹ ہارٹ اس کتاب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

THIS KITAB WAS FAMOUS ALL OVER THE EAST AND HAS REMAINED THE GREAT AND FAVOURITE AUTHORITY. NO OTHER WORK HAS BEEN ACKNOWLEDGED ITS EQUAL 4 26

یہ کتاب پورے مشرق میں مشہور و معروف تھی۔ اور عظیم المرتبت اور منظور نظر سند کی حیثیت سے برقرار رہی۔ اس کے ہم پلہ کبھی بھی دوسرے کام کو نہیں جانا گیا۔
یہ صحیح ہے کہ اس کی زبان میں لکنت تھی اس کا اعتراف ابوبکر الزبیدی نے بھی اپنی کتاب میں "وکان فی لسانہ حبسۃ" کے الفاظ سے کیا ہے۔ ۲۷
چنانچہ اس کے زبان کی اس معذوری کے پیش نظر اگر اس کے قلم کی تعریف کی جائے اور فصاحت و بلاغت سے پر اس کی شاہکار تصنیف کا دقت نظری سے مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف سے راہ گریز اختیار کرنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ الکتاب کا ایک ایک صفحہ نحوی فکر و نظر کی گیرائی و گہرائی کے ساتھ ساتھ اس کے زور بیان اور دلکش انداز تحریر کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اسی زور قلم کا ثمرہ ہے کہ وہ اول شخص ہے جس نے علم نحو کو پھیلا کر بیان کیا اور اس سے متعلق باریکیوں اور نزاکتوں کی شرح و بسط کے ساتھ عقدہ کشائی کی خدمت انجام دی۔ ۲۸

علی النوری نا صف جنھوں نے سیبویہ پر امام النحاۃ کی حیثیت سے ریسرچ کیا ہے

اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اور وہ ہے ایک کتاب جسے فرّاء کی میراث میں سے خریدی ہے۔ تو اس پر محمد بن عبد الملک نے کہا " مجھے اس سے زیادہ قیمتی چیز ہدیہ نہیں کی گئی ہے[20]

کوئی شخص جو اس کتاب کے پڑھنے کا مشتاق ہوتا اور مبرد کی طرف رجوع کرتا تو وہ اس سے پوچھتا " کیا تم نے کبھی سمندر کا سفر کیا ہے ؟ یعنی یہ کتاب سمندر کی طرح وسیع پر حول اور مشکل ہے[21]

ابو سعید الحسن بن عبد اللہ کہتے ہیں " وعمل کتابہ الذی لم یسبقہ الیٰ مثلہ أحدٌ قبلہ ولم یلحق بہ من بعدہ "[22]

امام زمخشری نے سیبویہ اور اس کی کتاب کی اہمیت یوں ذہن نشیں کرائی

الا صلّی الالٰہ صلاۃ صدق ۔ علی عمرو بن عثمان بن قنبر
فان کتابہ لم یغن عنہ ۔ بنو قلم ولا ابناء منبر[23]

ابن خلکان کی وفیات میں ہے کہ سیبویہ کی کتاب اس کی شہرت اور فضیلت کی وجہ سے علم کے طور پر جانی گئی۔ بصرہ میں جب بھی کہا جاتا کہ فلاں نے الکتاب پڑھی تو بس جان لیا جاتا کہ وہ سیبویہ کی کتاب ہے۔ اور اسی طرح اگر یہ کہا جاتا کہ فلاں نے الکتاب کی قرأت کی تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ سیبویہ کی کتاب ہے[24]

فہرست ابن ندیم میں المازنی کا قول ہے " من اراد ان یعمل کتابا کبیراً فی النحو بعد کتاب سیبویہ فلیستحی "[25]

معجم الادباء میں صاعد بن احمد الحیانی کہتے ہیں کہ انھوں نے اہل اندلس کا اپنی کتاب میں ذکر کیا۔ مجھے کسی ایسی کتاب کا علم نہیں (خواہ قدیم علوم میں ہو یا جدید ہوں) جو تمام ہی علوم پر مشتمل ہو اور اس فن کے اجزاء کا پورے طور پر احاطہ کیا گیا ہو

لیکن تین ایسی کتابیں ضرور ہیں جو ان اوصاف کی حامل ہیں۔ علم ہیئت کے سلسلے میں (۱) بطلیموس کی کتاب المجسطی۔ (۲) علم منطق میں ارسطو کی کتاب (۳) اور نحو میں سیبویہ کی کتاب۔

جناب کلمنٹ ہارٹ اس کتاب کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

THIS KITAB WAS FAMOUS ALL OVER THE EAST AND HAS REMAINED THE GREAT AND FAVOURITE AUTHORITY. NO OTHER WORK HAS BEEN ACKNOWLEDGED ITS EQUAL 4 26

یہ کتاب پورے مشرق میں مشہور و معروف تھی۔ اور عظیم المرتبت اور منظور نظر سند کی حیثیت سے برقرار رہی۔ اس کے ہم پلہ کبھی بھی دوسرے کام کو نہیں جانا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ اس کی زبان میں لکنت تھی اس کا اعتراف ابوبکر الزبیدی نے بھی اپنی کتاب میں "وکان فی لسانہ حبسۃ" کے الفاظ سے کیا ہے۔ [۴۷] چنانچہ اس کے زبان کی اس معذوری کے پیش نظر اگر اس کے قلم کی تعریف کی جائے اور فصاحت و بلاغت سے پر اس کی شاہکار تصنیف کا دقت نظری سے مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف سے راہ گریز اختیار کرنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ الکتاب کا ایک ایک صفحہ نحوی فکر و نظر کی گیرائی و گہرائی کے ساتھ ساتھ اس کے زور بیان اور دلکش انداز تحریر کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اسی زور قلم کا ثمرہ ہے کہ وہ اول شخص ہے جس نے علم نحو کو پھیلا کر بیان کیا اور اس سے متعلق باریکیوں اور نزاکتوں کی شرح و بسط کے ساتھ عقدہ کشائی کی خدمت انجام دی۔ [۴۸]

علی النجدی ناصف جنھوں نے سیبویہ پر امام النحاۃ کی حیثیت سے ریسرچ کیا ہے